سلسلہ مطبوعات (۳۵)

عزیمت

سیریز (۱)

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

عزیمت

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

سیریز نمبر 1

مجلس ادارت

مولانا مفتی عبد الخالق آزاد
مولانا مفتی عبد القدیر
مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی
مقصود الحسن چوہدری

تاریخ اشاعت - 25 اگست 1999ء

پیش کش

شاہ ولی اللہ کا مقام عظمت —— 2
امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد
صلح و جنگ میں قیادت کی ذمہ داری —— 8
سید اصغر علی شاہ بخاری
معاشیات کیا ہے؟ —— 21
انیس مغل (ایم اے اقتصادیات)

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

شاہ ولی اللہ کا مقام عظمت

مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر میں

تحریر: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کی ننہال کی طرف سے ان کے عزیز فضل الدین احمد تھے قصور کے رہنے والے اور "الہلال" کلکتہ کے منیجر تھے موصوف مولانا آزاد سے تقاضا کر رہے تھے کہ وہ اپنے حالات و سوانح قلم بند کر دیں۔ پہلے تو مولانا آزاد ان کو ٹالتے رہے پھر جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ۔

"کتنی بزرگ اور عظیم الشان زندگیاں ہمارے سامنے ہیں، جن کے سوانح وحالات نہیں لکھے گئے۔ ان کو چھوڑ کر میری زندگی کے حالات مرتب کرنا محض ایک تمسخر انگیز حرکت ہوگی۔" (تذکرہ از مقدمہ)

لیکن فضل الدین احمد اس کو اسی قدر ضروری خیال کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا اصرار جاری رکھا حتی کہ مولانا آزاد کو حکومت بنگال نے اپنی حدود سے خارج کر دیا اور مولانا رانچی (بہار) چلے گئے۔ فضل الدین احمد نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور مولانا کو برابر اس جانب متوجہ کرتے رہے۔ بالآخر ان کے اصرار کے آگے حضرت مولانا کو سپر انداز ہونا پڑا۔ اور اپنے حالات وسوانح لکھنے کا وعدہ فرمالیا۔ پھر جو کچھ حضرت مولانا نے لکھا وہ "تذکرہ" کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے۔ اس میں اگرچہ حضرت مولانا اور ان کے خاندان کے بارے میں بھی مفید اور قیمتی معلومات ملتی ہیں، لیکن حقیقتاً "تذکرہ" مولانا آزاد یا ان کے خاندانی بزرگوں کا نہیں بلکہ تجدید واحیائے دین اور دعوت و عزیمت کی تاریخ بن گیا ہے۔ مولانا نے اس میں امام الحرمین حضرت امام احمد ابن حنبل، شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقام علم وفضل،

ان کی دعوت، مقام عزیمت اور ان کے کارناموں کو والہانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ تقریباً" پونے تین سو صفحات لکھنے کے بعد بیرون ہندوپاکستان کے علمائے حق کی جانب سے ہندوپاکستان کے علمائے حق وصاحبان دعوت وعزیمت کی طرف خیالات کی باگ موڑدی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"یہ چند متفرق مثالیں تو دور کی تھیں۔ خود ہندوستان کی تاریخ دیکھ لو ہمیشہ ایسا ہی معاملہ نظر آئے گا" ہندوپاکستان کے علمائے حق میں حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت اسمٰعیل شہید رحمھم اللہ اجمعین کی عظیم شخصیتیں ان کی توجہ اور محبوبیت کا مرکز رہی ہیں۔ حضرت مجددالف ثانی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"شہنشاہ اکبر کے عہد کے اختتام اور عہد جہانگیری کے اوائل میں کیا ہندوستان علماء، ومشائخ حق سے بالکل خالی ہوگیا تھا؟ کیسے کیسے اکابر موجود تھے! لیکن مفاسد وقت کی اصلاح وتجدید کا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا۔ صرف حضرت مجددالف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کا وجود گرامی ہی تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا۔"

مولانا آزاد نے حضرت شیخ سرہندی کی جامعیت وکاملیت اور ان کے کارناموں کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ خود ایک مفصل مقالہ کا مواد ہے۔ اس مختصر صحبت میں ہم دورہ آخر کے فاتح وسلطان عصر وحجتہ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے کارنامہ تجدیدواحیائے دین وتدوین علوم ومعارف اسلامیہ کے متعلق مولانا آزاد مرحوم کے خیالات پیش کریں گے۔

مولانا آزاد فرماتے ہیں!

پھر بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہور علوم ومعارف دیکھو، زمین بنجر ہوچکی تھی۔ پھر بھی کھیتوں کی سرسبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ تیرہویں صدی کے تمام کاروبار علم وطریقت کے اکابرواساتذہ اسی صدی میں سر برآوردہ ہوئے، بعض بڑے بڑے سلاسل درس وتدریس کی بنیادیں اسی میں استوار ہوئیں۔ جیسے خاندان مشہور فرنگی محل، اور ہندوستان سے باہر بلادعربیہ وعثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم

وارشاد جیسے شیخ ابراہیم کورانی محمد بن احمد سفارینی النجدی' سید عبدالقادر کیانی' شیخ عمر فاسی تیونسی' شیخ سالم بصری' امیر محمد بن اسمٰعیل یمانی' شیخ عبدالخالق زبیدی' علامہ فلاتی صاحب ایقاظ' شیخ محمد حیات سندھی المدنی وغیرہم کہ شاہراہ عام سے اپنی راہ الگ رکھتے تھے اور حقیقت مستورہ کے شناساو حق آگاہ تھے۔ بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورہ آخر کے "فاتح اور "سلطان عصر" ہونے کا مقام تھا اور " قطبیت وقت" کا وہ صرف حجتہ الاسلام شاہ ولی اللہ (رضی اللہ عنہ) ہی کے لئے تھا اور لوگ بھی بیکار نہ رہے کام کرتے رہے' مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لئے تھا۔

احسنت ازیں عشق کہ دوراں امروز
گرم دراد ز تو ہنگامہ رسوائی را!

تفہیمات میں اس معاملے کے معارف لکھتے ہوئے کہیں تو اپنی طرف بیگانہ وار اشارہ کر جاتے ہیں کہیں کہیں جو قلبی کی بے اختیاریوں میں صاف صاف بھی لکھ گئے ہیں اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

(اللہ تعالیٰ کا یہ مجھ ضعیف پر عظیم احسان ہے کہ اس نے خلعت فاتحیت سے نوازا' اور اس دورہ آخر کا افتتاح اس کے ہاتھ سے کرایا)

(تفہیمات میں لکھتے ہیں میرے ذہن میں یہ حقیقت ڈالی گئی کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے۔ افسوس اس شخص پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ آئے)

ایک اور تفہیم میں یہ کیفیت زیادہ سرمستی کے ساتھ کھلی ہے

(میرے رب نے مجھے بتایا کہ ہم نے تجھے اس طریقے کا امام بنایا ہے اور سوائے ایک طریقے کے جو تیری محبت اور تیری اطاعت کا طریقہ ہے قرب حقیقت تک پہنچنے کے سب راستے آج بند کر دیئے ہیں اور جو تیری مخالفت کرے' اسے نہ آسمان میں پناہ مل سکتی ہے اور نہ زمین میں' پس اہل شرق و غرب سب کے سب تیری رعیت ہیں اور تم ان کے سلطان ہو خواہ وہ اسے جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جانیں گے تو کامیاب ہوں گے۔ اگر نہ

جانیں گے تو ناکام ہوں گے)۔

(ایک اور تفہیم میں لکھتے ہیں اور اللہ کی مجھ پر جو نعمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اور اس میں کوئی فخر نہیں کہ اس نے مجھے اس دور کا ناطق اور حکیم اور اس طبقے کا قائد اور زعیم بنایا اور وہ میری زبان سے گویا ہوا' اور اس نے میرے نفس میں اپنی روح پھونکی۔ پس اگر میں لوگوں کے اذکار و اشغال بیان کروں تو میرے اس بیان میں جامعیت ہوگی۔ اور اگر میں ان نسبتوں کو بیان کروں جو ان لوگوں کی آپس میں اور اپنے رب کے ساتھ ہیں تو ان کے سب پہلو ہر جہت سے مجھ پر عیاں ہوں گے اور میں ان پر پورے طور سے حاوی ہوں گا اور اگر میں اسرار لطائف اور غوامض حقائق پر تقریر کروں تو میں ان تمام کا احاطہ کروں گا اور اگر میں علم شرائع و نبوات پر بحث کروں تو میں اس میدان کا مرد اور اس کے خزانوں کا وارث ہوں ہی۔ چنانچہ میں ایسی عجیب و غریب باتیں کہوں گا کہ نہ ان کا شمار ہو سکے اور نہ ان کی حقیقت کا احاطہ ممکن ہو)

(شعر کا ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کے کتنے مخفی لطف و کرم ہوتے ہیں کہ ایک ذہین و فہیم آدمی کے ذہن میں بھی وہ نہیں آسکتے۔

(ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں جب میرے لئے دورہ حکمت پورا کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت پہنایا' پس مجھے اختلافی مسائل میں جمع و تطبیق کا علم حاصل ہو گیا)۔

اس باب میں ان کے اشارات بے شمار ہیں۔ علی الخصوص تفہیمات میں کہ متعدد رسائل و مقالات اسی مقام کی شرح و تحقیق میں لکھے ہیں اور ان سب کے آخر میں ذوق باطن کے التہاب و اضطراب سے بے خود ہو کر اپنے معاملات کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں گویا ابوالعلا معری کا یہ شعر جابجا نئے پیرایوں میں ان کی زبان مترنم اور تحدیث تک آ آ کر رہ جاتا ہے (ترجمہ)

اگرچہ میں آخری دور میں ہوں مگر
وہ کچھ کر رہا ہوں جو پہلے نہ کر سکے

(تذکرہ ص ۲۶۸ تا ۲۷۰)

اور ایک دوسرے مقام پر فتنین ظلمیتین' یونانیت و عجمیت کو امت مسلمہ کی تمام اعتقادی و عملی و قلبی و ذہنی ضلالت اور تمام مفاسد و مصائب کی اصلی جڑ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اور اسی لئے مدتوں تک غور کرنے کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ امت اسلامیہ کے تمام مفاسدو مصائب کی اصلی جڑ دو ہی چیزیں ہیں جن کو "یونانیت" اور "عجمیت" سے تعبیر کرنا چاہئے۔ سارے برگ دبار و ثمرات فساد کو انہی سے ظہور نمو ہوا آج ہمارے مدارس میں جو علوم باسم اصل و اساس علوم شرعیہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اگر کسی صاحب حکمت کی نظر کیمیاوی ان کی تحلیل و تفرید کرے تو کھل جائے کہ کس قدر حصہ ان کا شریعت اسلیہ والدین الخالص سے مرکب ہے اور کس قدر اسی فتنہ عالم آشوب یونانیت و عجمیت سے؟

"کوئی شے اس سے نہ بچی حتی کہ علما علوم آلیہ و عربیت و بلاغت و بیان اور عملاً جزئیات اعمال و رسوم و ہیئات و معاشرت وغیر ذالک' جب یہ حال علوم شرعیہ بلکہ نام نہاد اصولیہ کا ہے تو پھر ان اساطیر اوہام و دساتیر خز عبلات و ہفوات کا کیا پوچھنا جن کو بہ لقب شریف "معقولات" پکارا جاتا ہے؟ وان من العلم جہلا

(برعکس نہند نام زنگی کافور (تذکرہ ص ۲۱۵ حاشیہ)

لیکن اگر اس "ظلمات بعضہا فوق بعض" میں مولانا آزاد کو کوئی روشنی کی کرن نظر آتی ہے تو وہ حجتہ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے اور ذخائر عجائب و غرائب میں کوئی چیز قابل مطالعہ و نظر معلوم ہوتی ہے تو وہ صرف حضرت شاہ صاحب کی محققانہ و انفع مصنفات۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"ائمہ متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ و اصحابہ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ کی تنقیحات و تعقبات اس باب میں نہایت محققانہ و انفع واقع ہوئی ہیں۔ حجتہ اللہ البالغہ وغیرہ میں گو اشارات و اجمال (ولکن ابلغ من التصریح) سے کام لیتے ہیں لیکن التفہیمات الالہیہ اور خیر کثیر اور البدور البازغہ میں بالکل پردہ اٹھا دیا ہے۔ صرف یہی نہیں کرتے کہ ان علوم مخلوطہ کو "فن دانشمندی" کے حوالے کر کے باقی معاملات ذوق سلیم پر چھوڑ دیں

یا " تشکیکات خام معقولیاں" کہہ کر خاموش ہو جائیں بلکہ صاف صاف اور بے پردہ لکھتے ہیں۔ ایک تفہیم میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔

(متاخرین نے علوم شرعیہ میں بہت سی ایسی چیزیں شامل کر دیں جو نہ سلف کا مقصود تھیں بلکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور نہ سلف امت میں ان چیزوں کا کوئی اثر و نشان ہی پایا جاتا ہے۔ اکثر نے یونانیوں کے فلسفہ و حکمت کو علم شریعت کے ساتھ ملا دیا اور کتاب و سنت کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ شریعت کثرت رائے، بحث و جدل و انصراف اور تحریف و آمیزش سے بالکل ایک دوسری ہی چیز بن کر رہ گئی اور علم عقائد دین کہ علوم اسلامیہ میں افضل علوم ہے دیکھئے کہ متکلمین نے اس میں کیا کیا گل افشانیاں کی ہیں اور وادی جدل و تعمق اور نکتہ آفرینی کے شوق میں بھٹک کر کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ حالانکہ سلف امت اس قسم کی باتوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس کو شریعت سے خارج قرار دیا تھا۔ اور کتب فقہ و فتاوی میں غور کرو کہ انہوں نے دامن رائے و تفریع کو کس قدر کھینچ دیا اور اصول شریعت و سنت سے کس قدر دور نکل گئے؟ اور یہی حال دوسرے علوم دینیہ کا ہے کہ دوسرے فنون و صنائع سے اختلاط کے باعث ان کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ (تذکرہ ص ۲۱۵، ۲۱۶ حاشیہ)

اور پھر غور فرمائیے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر تجدید و صدق فہم اور نفوذ ذہن پر مولانا آزاد کس طرح اظہار تحسین و مسرت اور اعتراف فضل و کمال فرماتے ہیں۔ "اور سبحان اللہ! حضرت موصوف کی نظر تجدید اور صدق فہم اور نفوذ ذہن کہ ایک دوسرے موقع پر اس فتنہ کو من جملہ ثمرات روبہ نفاق کے قرار دیتے ہیں کما قال فی الفوز الکبیر، نفاق اول (یعنی بباطن کفر و انکار و بظاہر شکل اسلام بعد ازاں حضرت نتواں دانست اما نفاق ثانی (یعنی حدیث نفس و تشکیک و عدم یقین و ایمان حقیقی) کثیر الوقوع ست۔ لاسیما در زمان ما۔ وازاں جملہ جماعت معقولیان کہ شکوک و شبہات بسیاری آرند (او کما قال)

یہ جو حضرت نے فرمایا۔ "سینیاں چیزہا آوردند کہ معلوم پیشینیاں نہ بود

تو یہ وہی حقیقت ہے جس پر تمام ائمہ سلف متفق ہوئے۔ (تذکرہ ص ۲۱۶ حاشیہ) (بشکریہ ماہنامہ الرحیم حیدر آباد دسمبر ۱۹۶۳ء بحذف عربی عبارات)

صلح و جنگ میں قیادت کی ذمہ داری

یہ لیکچر ممتاز دانشور محترم جناب سید اصغر علی شاہ صاحبؒ نے ولی الٰہی تربیتی سیمینار بمقام گوجرانوالہ منعقدہ از ۱۱ تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۸ء میں دیا جس کو جناب محمود احمد نے کیسٹ سے قلمبند کیا اور مولانا مفتی عبدالقدیر نے تحقیق و اضافہ کے ساتھ مدون و مرتب کیا۔ (ادارہ)

آج دنیا میں تبدیلیوں کے نام پر بڑی بڑی تحریکیں کام کر رہی ہیں جہاد نظام اور مذہب کے حوالے سے تو بالخصوص ہمارا خطہ میدان کارزار بنا ہوا ہے ہر طرف سے اسلامی انقلاب' اسلامی شریعت اور اسلامی قانون کی بالادستی کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن قرآن حکیم نے جو اصول دیئے اور نبی اکرمؐ نے ان اصولوں پر جو جماعت تیار کی جب تک قرآن اور آپؐ کے اس اجتماعی اسوہ کی پیروی نہ کی جائے گی اس وقت تک صحیح اور غلط میں تمیز ممکن نہیں۔ یقیناً کبھی کسی جماعت نے غلط نعرہ نہیں دیا ہمیشہ اس قسم کے نعرے دیئے جاتے ہیں کہ جن میں کشش موجود ہو ہمارا یہ خطہ چونکہ مذہبی خطہ ہے اس لئے یہاں تو مذہب کا استعمال اندھا دھند ہوا ہے اور جو بھی یہاں سامراج کے یا اس کے طفیلی ایجنٹوں کے مقاصد ہوئے ان کے لئے مذہب کا نام ہی استعمال ہوا ہے لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ جب تک کسی جماعت کے اندر بنیادی طور پر تنظیم سازی نہیں ہوگی اور تنظیم سازی کی وہ بنیادیں جو قرآن حکیم کا تقاضا ہیں پیدا نہیں ہوں گی۔ اس وقت تک ان جماعتوں کو مخلص تو کہہ سکتے ہیں لیکن وہ تبدیلی جو نظام کے حوالے سے ہو' جو فی الواقع اس خطے کی قسمت کو بدل دے اور پوری دنیا کے لئے نمونہ بن جائے اس کے لئے ان کی باتیں صرف باتیں ہی ہوں گی عملی طور پر وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔

صالح نظام کی دو تنظیمی بنیادیں اور ان پر تربیت

پس اس تناظر میں دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ نے جو صلح حدیبیہ کی جس کے بارے میں انا فتحنا لک فتحا مبینا کا عظیم ارشاد نازل ہوا یعنی اس صلح کو فتح کا قائم مقام کہا گیا ہے اس کی بنیاد ضبط و اطاعت کی اساس کے حوالہ سے تربیت یافتہ مضبوط تنظیم پر قائم ہے۔ اس وقت جماعت صحابہ کے عام ارکان کی طرف سے صلح کی حکمت کو نہ سمجھنے کے باوجود ڈسپلن اور فرمانبرداری کا جو غیر معمولی مظاہرہ کیا گیا اس کو قرآن حکیم نے آپ کی فتح مبین قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ صلح قیامت تک مسلمانوں کے لئے فخر کا باعث ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر بات جنگ سے طے کی جائے بلکہ قرآن جو ہمارے سامنے اسوہ پیش کرتا ہے وہ تو اس کو فتح قرار دیتا ہے "کہ منظم جماعت موجود ہے جو نظم و ضبط کی پابند ہے فرماں بردار ہے، شعور کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے" جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی قیادت ایک مرحلے پر ایسا فیصلہ کرتی ہے کہ بظاہر لوگوں کی سمجھ میں اس کی حکمت نہیں آتی چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ کوئی اس حکمت کو سمجھ نہیں پاتا لیکن اس موقع پر پوری جماعت نے جو ابھی ابھی موت پر بیعت کر چکی ہے، حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لئے جن کو تیار کیا گیا ہے اور ان کی اتنی فوجی اہمیت ہے کہ وہ دشمن کے قلب تک پہنچے ہوئے ہیں کہ مکہ مکرمہ صرف انیس میل کے فاصلے پر ہے اور انتہائی جنگی صلاحیت ان کے اندر موجود ہے۔ اس کے باوجود جب مخالفین کی طرف سے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش ہوتی ہے تو نبی اکرم ﷺ فوراً اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ جماعت اس وقت ان حکمتوں کو نہیں سمجھتی، چنانچہ جب سفر میں سورہ فتح نازل ہونا شروع ہوئی ہے تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا اسی صلح کو فتح قرار دیا گیا تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا! ہاں! اسی صلح کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا ہے۔ (قرآنی شعور انقلاب ص ۵۲۴)

یہ قیادت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ جماعت سے فیصلوں کی پابندی کروانے کے لئے شعوری بنیادوں پر مسلسل ان کی تربیت کرے لہٰذا جماعت کی ان خطوط پر تربیت ہونی چاہئے کہ جن اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے وہ جماعت جدوجہد کر رہی ہے اگر وہ مقاصد جنگ سے

حاصل ہوتے ہوں تو جنگ کرنی چاہئے اور اگر وہ مقاصد کسی اور حکمت عملی سے حاصل ہو سکتے ہوں تو یقیناً یہ قیادت کی ذمہ داری ہے کہ ان اصولوں کو اختیار کر کے اور حکمتوں کو سامنے رکھ کر وہ فیصلے کرے کہ جن سے نقصان بہت کم اور فوائد بہت زیادہ حاصل ہوں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت جو فیصلہ فرمایا تو صدیق اکبرؓ جن کی قدر و منزلت کا یہاں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کتنے ذہین، سمجھدار اور اعلیٰ عقل کے مالک تھے کہ پوری جماعت میں نبی اکرمؐ کی اس حکمت کو صرف وہ سمجھتے ہیں اور اس وقت پوری جماعت کو حضورؐ کا فیصلہ ماننے کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور جماعت وہ فیصلہ تسلیم کر لیتی ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے کہ جب تک کارکن جماعت کے فیصلوں کو حتمی سمجھ کر قبول نہیں کرتے اور یہ تربیت اپنے اندر پیدا نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی شخص انقلابی جماعت کا صحیح کارکن کہلانے کا اہل نہیں اور نہ اس وقت تک جماعت اپنا کوئی کردار ادا کر سکتی ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت امام شاہ ولی اللہ نے خلافت باطنہ اور خلافت ظاہرہ کے حوالے سے سمجھایا ہے۔ خلافت باطنہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا استاد یا لیڈر جو معاشرے کی خرابی کا نبض شناس ہو اور صحیح طریقہ علاج جانتا ہو وہ دور کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر ترقی کا ایک نیا فکر دیتا ہے تو جماعت کا ہر فرد من و عن اس کو قبول کر کے اپنی روح کی گہرائیوں تک اس کو بسالے اور جماعتی قوانین اور احکامات کی دل و جان سے پوری پابندی کرے اس کے بعد دنیا میں انسانوں سے ظلم دور کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کا بھرپور ساتھ دے اس جماعت میں ایک ہی سمت میں کام کرنے لگ جائے اور انسانوں کے ساتھ ساتھ اپنا تعلق اللہ کے ساتھ بھی قائم رکھے اللہ اور انسان کے درمیان جو رکاوٹیں پیدا کر دی گئی ہیں ان کو دور کرے پورے معاشرے میں سے اگر ایسی جماعت پیدا ہو جاتی ہے جو معاشرے کو اپنا ہمنوا بنا کر مضبوط جماعتی نظام کے ذریعے باطل پر غالب آجاتی ہے تو یہی انقلاب ہے کیونکہ بنیادی بات یہ ہے کہ جماعت کے اندر جب تک تنظیم مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہو جاتی اور جماعت کے ورکر میں فرماں برداری کا جذبہ پیدا نہیں ہو جاتا اور جماعت کے فیصلے کو وہ حتمی سمجھتے ہوئے اپنے ایمان کا حصہ نہیں بنا لیتے اس وقت تک کوئی بھی جماعت بھرپور کردار ادا نہیں کر سکتی۔

اس حوالے سے جماعت کی قیادت تربیتی مراحل میں پوری ذمہ داری سے کارکنوں کی صلاحیتوں کا جائزہ لیتی ہے اور ان کو مختلف ذمہ داریاں سونپ کر امتحان لیتی ہے پس ایسے مرحلے میں کارکنوں کو جماعتی فیصلوں پر کیوں اور کیا کا سوال نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک کارکنوں کے اندر یہ کیفیت پیدا نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں انقلابی کارکن نہیں بن سکتے۔ مثلاً جماعت کہتی ہے کہ کرسی صدارت پر بیٹھ جاؤ تو جماعت کا حکم اور ذمہ داری سمجھ کر اسے قبول کرنا ہوگا اس کے بعد اگر جماعت یہ حکم کرے کہ جھاڑو دو یا تمہاری فلاں ذمہ داری ہے' اگر کارکن نے اسی جذبہ محبت اور اطاعت کے ساتھ جس سے اس نے صدارت قبول کی تھی جھاڑو دینے والی یا کسی بھی نچلی سطح کی ذمہ داری کو قبول نہ کیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انقلابی ورکر نہیں ہے۔ کیونکہ مقاصد کے حصول کے لئے مرکزی جماعت حالات اور حکمتوں کو سامنے رکھ کر جو فیصلہ کرتی ہے وہی درست ہوتا ہے۔

لہٰذا قیادت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کے اندر یہ باتیں پیدا کرے رہنمائی اور تربیت اسی چیز کا نام ہے کسی بھی تبدیلی کے لئے اسی درجے کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالخصوص بین الاقوامی تبدیلی کے لئے انتہائی اعلیٰ درجہ کا نظم و ضبط پیدا کرنا ہوگا۔ ورنہ آج کے دور میں جتنی بھی حکمت عملیاں بن رہی ہیں اسلام کے غلبے یا نبی کے اسوہ کے حوالے سے یا دور حاضر کی تحریکات جن کا مقصد جنگ' قتال یا جہاد ہو یا جو جماعتیں پرامن طریقوں سے دین کا کام کر رہی ہوں ان سب کو اگر قرآن حکیم کے اس انقلابی فکر اور آنحضرتؐ کے اس اعلیٰ اسوہ کی رو سے پرکھا جائے تو فوراً صحیح اور غلط' حق اور باطل کا پتہ چل جائے گا بغیر حکمت کے اور بغیر حالات کا تجزیہ کئے ان کے جو فیصلے ہوتے ہیں یا جو تحریکیں چلتی ہیں ہمیشہ ان کا فائدہ بین الاقوامی سامراج اور انقلاب دشمن قوتوں کو پہنچتا ہے چنانچہ اس قسم کی کئی تحریکیں ہمارے سامنے اٹھیں جنہوں نے انقلاب کا نعرہ دیا انہوں نے خلوص اور جذبے کے ساتھ لاکھوں کے اجتماعات کئے' مگر ان کے اندر یہ تنظیمی خوبیاں موجود نہ تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگے چل کر ان کے کارکن مایوس ہو گئے' جہاں ورکر کی تربیت نہ ہو' عقل کا استعمال نہ ہو' شعور پیدا کرنے کی بجائے جذبات کو ابھارا جائے وہاں پر تو نتائج یہی نکلتے

ہیں اس لئے ہمیں دونوں خصوصیات پیدا کرتے ہوئے ڈسپلن کے ساتھ کام کرنا چاہئے اور یہی جذبہ لے کر اپنے نئے دوستوں تک اور اسی روح کو آگے منتقل کرنا ہے یعنی تعلیم کے ساتھ ساتھ ڈسپلن اور فرمان برداری کا جذبہ ان کے اندر منتقل کرنا ہے۔

اس تناظر میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جماعت صحابہ کے اسوہ کو بطور مثال سامنے رکھنا چاہئے کہ ایسے نازک موقعہ پر جس قسم کے ڈسپلن' اطاعت یا فرمانبرداری کا انہوں نے مظاہرہ کیا یہ انتہا درجہ کے نظم و ضبط کا مظاہرہ ہے کہ پہلے ایک طرف بات انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ آدمی مرنے مارنے پر تلا ہوا ہے کہ مرجائیں گے لیکن لڑیں گے ضرور' ہم نے انتقام لینا ہے کہ دشمن نے زیادتی کی ہے' سفارتی آداب کو کچلا ہے کہ ہمارے ساتھی کے ساتھ جس کو ہم نے ایلچی بنا کر بھیجا انہوں نے سفاکانہ سلوک کیا' اندازہ کریں کہ کس قدر جذبات موجزن ہیں مگر اسی وقت ان کو صلح کے لئے کہا جاتا ہے اور وہ اس کو بھی اپنے اندرونی نظام کی قوت و تربیت کی وجہ سے مان لیتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ بھی اس کو "فتح مبین" قرار دیتے ہیں اور امام سندھی سورہ نصر کی تفسیر میں ایسی ہی جماعت کی تیاری کو "نصراللہ" بھی قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقام محمود پارہ ۳۰' ص ۱۵۷)

مستقل جنگی حکمت عملی کا نقصان

جب کسی صالح اجتماعیت کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی ہوتا ہے' مخالفانہ نشر و اشاعت ہوتی ہے' مروجہ نظام اور مقتدر قوتیں اس کو فیل کرنے کے لئے اپنے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کرتی ہیں چونکہ ذرائع سب انہی کے قبضے میں ہوتے ہیں اس لئے ان کے پروپیگنڈہ کے نتیجے میں اس عام لوگوں کو غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں' اب اگر عدم تشدد کی پالیسی اختیار کرلی جائے اور جنگ کے بغیر صلح کے ذریعے پروگرام پھیلایا جائے تو یہ بہترین حکمت عملی ہوتی ہے کیونکہ جنگ میں ہوتا یہ ہے کہ فریق مخالف کی طرف سے دشمنی عود کر آتی ہے' انا کا مسئلہ بن جاتا ہے' ان کی قوت مقابلے پر رہتی ہے اور مقابل کی ہر اچھی بات بھی دشمنی کی وجہ سے رد کردی جاتی ہے' اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر نہیں کیا جاتا چنانچہ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں وہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کی حالت پر ٹھنڈے دل سے غور

کرنے کا موقعہ ملا' ان کے افکار اور کردار پر' اسلام میں جو حکمتیں موجود تھیں نبی اکرمؐ نے جو تربیت کی تھی اور جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا' جس کا قریش کو فائدہ پہنچ سکتا تھا ان تمام چیزوں پر ان کو غور کرنے کا موقعہ ملا اور اس کے نتیجے میں ان لوگوں پر اپنے فیصلے سے یہ بات کھلی کہ ہم جس فکر کی مخالفت کرتے آ رہے ہیں یہ مخالفت درست نہیں تھی اور غلط فہمی کی بنیاد پر تھی۔ اس لئے ان کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پیدا ہوئے' دوستیاں بڑھیں' قربت ہوئی اور اس قریب ہونے کے نتیجے میں انہوں نے مسلمانوں کو اچھی طرح سے پرکھا' ان کے کردار کا جائزہ لیا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کردیا اور ان پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ مستقبل میں یہ ایک غالب قوت ہوگی اور فی الواقع اس ابراہیمی طریقے کے لئے جس کے لئے ہم خود سمجھتے ہیں کہ قریش اس دعوت کو دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ بنیں گے یہ وہی کام ہے۔ چنانچہ اچھے کردار والے اہل مکہ آنحضرتؐ کے پروگرام میں اپنے فیصلے سے شامل ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو جنگ کے ذریعے سے مغلوب کیا جاتا' اپنا فکر ان پر ٹھونسا جاتا اور ان کو غور کرنے کا موقعہ نہ ملتا' تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے جو پرانے عقائد و اخلاق تھے بجائے اس کے ان کی تربیت ہوتی' وہ سوچ سمجھ کر اپنے فیصلے سے شامل ہوتے اور ان کو اسلام کے شاندار مستقبل اور اس کے اعلیٰ فکر پر غور کرنے کا موقعہ ملتا' ہو سکتا تھا کہ پھر بھی وہ اس فکر کو مان لیتے لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ اسلام اور انقلابی جماعت کے اندر کھینچا تانی کا سبب بنتے اور گروپ بناتے اپنی رجعت پسندی کے نظریات پھیلاتے اس طرح جماعت کا انقلابی کردار یا تو ختم ہو کر رہ جاتا یا پھر مستقبل میں مخدوش ہو جاتا اور جو بین الاقوامی کام اللہ تعالیٰ اس انقلابی جماعت سے لینا چاہتا تھا وہ اس کو سرانجام نہ دے پاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو ذریعہ بنایا کہ اس کے ذریعے قریش پر ساری حقیقتیں کھلیں اور اس کا جو ذہین' قابل بہادر اور باصلاحیت طبقہ تھا اس نے اسلام پر غور و فکر کیا اور اپنے فیصلے سے یہ لوگ اسلامی جماعت میں داخل ہو گئے چنانچہ آگے چل کر انہوں نے بہترین کارنامے سرانجام دیئے شاندار حکومتیں قائم کیں اور نظام کو بہترین انداز میں چلا کر دکھایا۔

رسول اکرمؐ کی دو حیثیتیں

درحقیقت آپؐ قریش کو تباہ کرنے کے لئے آئے ہی نہیں بلکہ ان کی کمی پوری کرنے اور تعلیم دینے کے لئے آئے ہیں چنانچہ امام شاہ ولی اللہ کی تصریحات کے مطابق آپؐ کی دو حیثیتیں تھیں کہ نبی کی حیثیت سے آپ کو انسانیت عامہ اور بحیثیت عرب آپ کو قریش کی سربلندی کا ذریعہ بننا تھا۔ آج بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی کسی قوم پر زبردستی اپنی بات ٹھونس دے یا زبردستی کوئی بات منوالے جب تک کہ اس کے فوائد اور مثالی کردار ان کے سامنے نہ ہو۔ نبی اکرمؐ نے قریش کو حضرت ابراہیم کی دعا کے مطابق ذریعہ بنانا تھا اس لئے صلح کر کے آپؐ نے قریش کی تربیت کی۔ ان کو انقلابی جماعت میں ڈھالا خلافت باطنہ کا کام سرانجام دیا اور ان کے ذریعے قومی انقلاب کو عرب میں مستحکم کیا۔ یہی عرب آگے چل کر پوری دنیا میں اس انقلاب کو پھیلانے کا ذریعہ بنے' چنانچہ امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "واضح رہے کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ میں دو خصوصیتیں جمع کی گئی ہیں۔ (۱) نبوت عامہ' (۲) قریش کی سعادت کا سبب بننا پہلی خصوصیت کے حوالہ سے ہر ایک رنگ دار اور گوری قوم کو آپؐ کی نبوت کا فیض پہنچنا ہے یہی وجہ ہے کہ جب انسانیت کے عمومی مفاد کا تقاضا ہوا کہ ترکوں کی سلطنت عام طور پر پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اسلام قبول کرنے کی طرف پھیر دی۔ میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا ہوا تو ہندوستان کے ہندو لیڈر اسلام قبول کرلیں گے جیسے ترکوں نے قبول کرلیا تھا کیونکہ جناب نبی اکرمؐ کی نبوت کی عمومیت اور آپ کے صاحب ملت ہونے کا یہی طبعی تقاضا ہے حضرت نبی اکرمؐ کے کلام کے ایک سے زیادہ پہلو میں کبھی تو آپ نبی ہونے کی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں کبھی اس حیثیت سے کہ آپ قریش کی سعادت کا ذریعہ ہیں"۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے خیر کثیر میں فرماتے ہیں"

"حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پہلی حیثیت میں اپنی قوم کے لئے نبی بن کر آئے جب اس پر ایک زمانہ گزر گیا تو آپ کی قوتیں چودھویں کے چاند کی جگہ سورج بن کر چمکنے لگیں پھر ایک اور ترقی ہوئی

کہ آپ کی شان کو پورا پورا کمال حاصل ہوا جس کے اوپر کوئی کمال نہیں ہے اب آپ کرہ زمین کے ہر ہر گوشہ کے امام بنائے گئے"۔ (ملاحظہ ہو تفہیمات الہیہ جلد اول ص ۲۰۳) پس اس صلح میں یہ بھی پوشیدہ مصلحت تھی کہ قریشی فنا نہ ہوں۔

تعلیم اور انتقام

نیز اس صلح سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ معلم کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ انتقام نہیں لیتا تو آپؐ کی وہ مخالفت جو قریش کر رہے تھے یہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے تھی آپؐ کی قوم پروپیگنڈہ کی زد میں آکر آپؐ کی اس حیثیت کو نہیں سمجھ سکی تھی جس میں انہیں عرب ہی کی سلطنت نہیں بلکہ بین الاقوامی حکومت مل رہی تھی حضرت ابراہیم کی دعا کی عملی شکل سامنے آرہی ہے مگر پروپیگنڈہ کی وجہ سے انہوں نے حضورؐ کی مخالفت کی اور نبی نے ان سے انتقام لینے کی بجائے ان کو معاف کر دیا۔ ان پر شفقت فرماتے ہوئے صلح کی تاکہ ان لوگوں کو قریب ہونے کا موقع ملے کیونکہ آپؐ معلم ہیں اور آپؐ کے فرض منصبی کا یہی تقاضا ہے کہ آپؐ قریش کو معاف کریں کیونکہ انتقام اور تعلیم جمع نہیں ہو سکتے جونہی استاد میں انتقامی جذبہ پیدا ہوا اس کی شان معلمی ختم ہوئی۔

تعلیم میں بعض اوقات سختی بھی کرنی پڑتی ہے مگر وہ انتقامی جذبہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت میں شفقت اور رحمت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے مثلاً ہماری اجتماعی زندگی کی ابتدا گھریلو زندگی سے ہوتی ہے اس کے تربیتی نظام میں انتقامی جذبہ کے ماتحت کوئی ترقی نہیں کر سکتا اور نہ گھر کے لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ کر کوئی کام ہو سکتا ہے۔ وہاں سربراہ (باپ) کے حکم میں بظاہر بادشاہ کی طرح انتقام ہوتا ہے مگر حقیقت میں صرف محبت و رحمت ہوتی ہے اسی طرح باقی اجتماعی اداروں میں بھی اگر حکمرانوں میں یہی خانگی زندگی کی سی کیفیت اور جذبہ پیدا ہو جائے تو محلے، گاؤں، شہر، ملک اور بین الاقوامیت تک زندگی کے تمام شعبوں اور اداروں میں ترقی پیدا ہو جائے جب کوئی تحریک اس انداز پر ترقی کرتی ہے تو وہ انسانیت میں جائے گیر (راسخ) ہو کر اپنے گہرے اثرات قائم کر لیتی ہے۔ الحاصل اسلام کے نظریہ جنگ (خواہ عملی طور پر جنگ میں فتح ہو یا شکست) میں بھی گو صورت انتقام ہوتی ہے مگر جذبہ

(سپرٹ) انتقام نہیں ہے بلکہ جذبہ رحمت و الفت اور دشمن کی خیر خواہی پیش نظر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرمؐ نے احد کے ایک معرکے میں دانت شہید کرواتے ہوئے فرمایا۔ "خدایا میری قوم کو بخش دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں"۔ چنانچہ اسی جذبہ الفت نے مخالفین کے دلوں میں اثر پیدا کر کے ثابت کر دیا کہ آپ معلم اور باپ ہیں منتقم اور فاتح نہیں۔ چنانچہ امام سندھی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ "جن لوگوں نے اسلام کو فقط فاتحانہ انداز میں بند کر دیا ہے یعنی لڑے اور فتح پائی تو یہ اسلام ہے اور شکست کھا گئے تو کفر ہے وہ کبھی اسلام کو دنیا میں کامیاب نہیں بنا سکتے" جب تک فتح و شکست میں ایک ہی جذبہ محبت و رحمت کام نہ کر رہا ہو اور اس کے نیچے فائدہ پہنچانا اور خدمت کرنا نظر کے سامنے نہ ہو اس وقت تک اسلام مکمل نہیں ہوتا"۔ (قرآنی شعور انقلاب، صفحہ ۵۳۵)

قیادت پر جماعت کی ذمہ داری

گو قیادت بعض اوقات اخلاق کے نہایت اعلیٰ مقام پر ہوتی ہے اس میں دشمن کی بھی خیر خواہی مقصود ہوتی ہے مگر ضروری نہیں پوری جماعت میں بھی یہی جذبہ اور ایسی بلند اخلاقی سطح قائم ہو جائے بلکہ ان کے لئے اس بلند سطح پر پہنچنے کے لئے وقت چاہئے مگر چونکہ قیادت ان کے تمام اعمال کی ذمہ دار ہے اور جماعت کی غلطیاں یا اچھائیاں قیادت ہی کی طرف سے منسوب ہوتی ہیں لہٰذا قیادت پر اس مرحلہ میں بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ۔

(۱) جماعت کے کارکنوں کو ذہن نشین کرا دے کہ نصب العین کے خلاف کوئی عمل یا انتقامی کارروائی پوری جماعت کو متاثر کرے گی اور ترقی رک جائے گی لہٰذا اس اصول کو کم از کم کسی قیمت پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ "اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر، جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے" (سورہ نحل ۱۲۶:۱۶)

(۲) کارکنوں کے تربیتی مراحل رفتہ رفتہ طے کروائے جائیں کیونکہ تربیت "اماله اخلاق" کا نام ہے نہ کہ ازالہ اخلاق، کا یعنی جذبات و فطرت کی تہذیب کر کے ان کو صحیح رخ دینا نہ کہ جذبات کو کچل دینا اور فطری اخلاق کو ختم کر دینا کیونکہ ترقی طبعی رفتار سے ممکن ہے یکدم نہیں ہو سکتی چنانچہ امام سندھی فرماتے ہیں۔ سوسائٹی میں یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو

اس کی طبعی رفتار سے ترقی کرنے سے روکا جائے ایک شخص انتقامی جذبے سے جواب دیتا ہے وہ آخر تک پہنچ لے تو اس کے بعد تو درست کرنا ممکن ہے لیکن اگر اس کے انتقامی جذبے ہی کو کچل دیا جائے تو وہ اپنی فطری تکمیل سے عاجز آجائے گا اس کی تکمیل کی بہترین سبیل یہی ہے کہ اسے موقع دیا جائے کہ وہ اپنا کام پورا کرے آخر میں اسے سمجھا دیا جائے گا کہ تم نے غلطی کی ہے لہٰذا اس کی تلافی کرو اس طرح اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے لیکن اس کی شخصیت میں سے انتقام کا جذبہ نکال ڈالنا ممکن نہیں رسول اللہ کے ساتھیوں میں مثال کے طور پر حضرت عمرؓ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔ ان کی فطرت یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی زیادتی کرے تو وہ دس گنا زیادتی کر کے اس کا جواب دیں گے یہ تو ممکن ہے کہ انہیں زیادہ انتقام لینے سے روک دیا جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہیں نفس انتقام ہی سے باز رکھا جائے۔ (قرآنی شعور انقلاب ص ۵۳۲، ۵۳۱)

چونکہ حضرت نبی اکرمؐ بحیثیت لیڈر حضرت عمرؓ وغیرہ اصحاب کے اعمال کے ایک حد تک ذمہ دار ہیں اس لئے ان کا تدارک کرنا بھی آپ کا فرض تھا چنانچہ انہی غلطیوں کو قرآن حکیم نے "ذنبک" (آپ کی غلطی) کہا اور ان کی غلطیوں پر آپؐ کے تدارک کرنے کو مغفرت کا سبب قرار دیا۔

(۳) قیادت کو کارکنوں کی ان نام نہاد جماعتی غلطیوں کا تدارک کرتے ہوئے بہتر حکمت عملی کے ذریعے عوامی سطح پر یہ بات باور کرا دینی چاہئے کہ ان غلطیوں کے پیچھے گو بظاہر صورت انتقام ہے مگر جذبہ انتقام ہرگز کارفرما نہیں بلکہ اصلاح احوال اور قوم کی فلاح پیش نظر ہے جیسا کہ آنحضرت کے صلح کے فیصلہ نے خود آپ کو بری کر دیا اور یہ بھی دکھا دیا کہ آپ کے ساتھیوں کی غلطیاں بھی عام غارت گر جماعتوں کی خود غرضانہ غلطیوں سے بالاتر ہیں۔ آپؐ کے اس فیصلے نے آئندہ کے لئے بھی ایسی نام نہاد غلطیوں کے متعلق تمام شبے دور کر دیئے اور انتقام کا الزام دھو دیا۔

(۴) قیادت کو کارکنوں کے اندر یہ سپرٹ بھی پیدا کرنی چاہئے کہ اگر نادانی سے غلطیاں سرزد ہو جائیں تو ان غلطیوں سے ذاتی فائدے اٹھانے کی کوشش ہرگز نہ کریں ورنہ تدارک

ناممکن ہو جائے گا اور پھر مغفرت کا وعدہ بھی اسی صورت میں ہے کہ غلطی سے کوئی ذاتی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

رسول کریم ﷺ کا طریق کار

جیسا کہ اس گذشتہ بحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد قریش کی اصلاح کر کے ان کو انسانیت کے اس عظیم پروگرام کا خادم بنانا تھا اس لئے فطری راستہ یہی تھا کہ قریش کی اصلاح کر کے پہلے قومی سطح پر معاشرتی تبدیلی لائی جائے اور پھر ان کو بین الاقوامی انقلاب کا ذریعہ بنایا جائے۔ اس صورت میں آپؐ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کے مصداق بنتے ہیں' نیز آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ تک تمام انبیاء کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی اپنی قوم کو دعوت دیتے چلے آئے ہیں اور انہیں ساتھ ملا کر کام کرتے رہے ہیں۔ اس طرح آپ بھی ایسا طریقہ اپنائیں گے تو یہ فطری طریقہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے مستقل پروگرام بن جائے گا۔ قرآن کی رو سے اسی کو صراط مستقیم کی پیروی فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بھی انہی وجوہ سے اس فطری راستے کو اختیار کیا اور آپؐ پہلے نبیوں کی برکتوں اور طریقوں کے مصدق بنے اس سے ہٹ کر اگر دوسری قوموں کی مدد سے بالفرض اپنا پروگرام کامیاب بنا کر دکھا بھی دیتے تو آئندہ کے لئے یہ ایک زندہ اسوہ اور قابل عمل طریقہ نہ بن سکتا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ نے اسلامی انقلاب کے قوم بقوم پھیلنے کا یہ نبوی طریقہ کئی جگہ اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ رقم طراز ہیں۔

مہاجرین و انصار کی پہلی جماعت' قریش اور ان کے ارد گرد قبیلوں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی پھر اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کے ہاتھوں عراق اور شام فتح کرایا کیونکہ ان علاقوں میں عرب عنصر موجود تھا اسے اپنی قوم کے اندر عربی اسلامی انقلاب کے لئے تیار کیا گیا پھر ان عراقیوں کے ہاتھوں' ایران اور شامیوں کے ہاتھوں روم فتح کرائے کیونکہ انہیں ان علاقوں کے باشندوں سے مناسبت تھی پھر ایرانیوں کی مدد سے ہندوستان اور ترکستان اور رومیوں کی مدد سے حبشہ وغیرہ کے علاقے فتح کرائے۔ (ملاحظہ ہو حجتہ اللہ البالغہ ج:۲' ص ۷۲) اس فطری راستے سے جو بین الاقوامی غلبہ قائم ہوا اس کو ہی اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ پر

"اتمام نعمت (نعمت کی تکمیل) قرار دیا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

جب قومی بادشاہوں میں حسد اور بغض بڑھ گیا تو انسانوں کو خواہ مخواہ ایسے خلیفہ (اجتماعی قیادت) کی ضرورت پڑی جسے فوج اور سامان جنگ اس قدر کثرت سے حاصل ہو کہ کسی شخص کا اس سے ملک چھین لینا ناممکن کے قریب ہو کیونکہ ایسی اجتماعی قیادت سے ملک کا چھیننا اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ اس کے ماتحت سب ملکوں میں عام بغاوت پیدا ہو جائے اور اسے سیاست سے دست بردار کرنے کے لئے بہت زیادہ کوشش کی جائے' بڑے بڑے اجتماعات منعقد کئے جائیں۔ بے شمار روپیہ صرف کیا جائے ظاہر ہے اتنی کوشش سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ناممکن سمجھا جاتا ہے کہ ایسی اجتماعی قیادت کو اس کی ذمہ داری سے ہٹا دیا جائے۔ جب ایسی باصلاحیت قیادت قائم ہو جائے اور اس کی سیرت بھی اچھی ہو اور بڑے بڑے زبردست لوگ اس کے تابع ہو جائیں اور ارد گرد کے تمام ممالک ان کے قانون کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے اطاعت اختیار کرلیں تو سمجھنا چاہئے کہ نعمت الٰہی انتہا کو پہنچ گئی اور یوں تمام علاقے اور لوگ اس سے سرشار ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو حجتہ اللہ البالغہ ص ۴۷ جلد اول) لہٰذا اس حوالے آج بھی جو قوم قرآن کے انقلاب کو بین الاقوامی درجے پر کامیاب بنانے کا تہیہ کرلے وہ اسی طریقے سے اسلام کی تعلیم کامیاب بنا سکتی ہے یہ تنظیم و تربیت ہی انقلاب کی روح ہے"۔

خدمت انسانیت..... اشکال اور مقاصد

گویا مذکورہ اصولوں پر جو جماعت بھی اس عظیم کام کے لئے تیار ہوگی اس کی تمام تگ و دو میں ایک ہی مقصد اور ایک ہی روح کار فرما ہونی چاہئے کہ اللہ کی مخلوق کو اس کا کنبہ سمجھنے اور اس پر ہر قسم کے ظلم کو دور کرنے اور اس کو ہر قسم کی ترقی و شعور و حکمت سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی جان و مال اور عزت قربان کردے اور انسانیت کی بے غرضی کے ساتھ اس طرح خدمت کرے جیسے ماں باپ بچے کی خدمت بے غرضی کے ساتھ کرتے ہیں اور اس عظیم خدمت کا صلہ محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کے ذریعے حاصل کرے کیونکہ انسانیت

کی خدمت کرنا ہر ایک شریف انسان کا فطری تقاضا ہے مگر یہ خدمت دو شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔

(۱) ایک انسان اس خدمت کا بدلہ دنیا میں سونے چاندی اور عزت کی شکل میں مانگتا ہے یہ بادشاہوں کی جماعت ہے۔

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے جو خدمت کا بدلہ دنیا میں پیسے اور عزت کی شکل میں لینا ضروری نہیں سمجھتا اس کی عزت وہی ہے جو اللہ کے ہاں ہے۔ یہ نبیوں کی جماعت ہے۔ قرآن عظیم اس دوسری جماعت کو زندہ کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس جماعت کی اس سرفروشانہ اور مخلصانہ جدوجہد کو قبول فرما کر آخرت میں ان کو اپنی رضا کی جگہ جنات عدن یعنی (ہمیشگی کے باغات) عنایت فرماتا ہے جبکہ دنیا میں بھی صلہ کے طور پر اپنی زمین کی وراثت کا مستحق قرار دیتا ہے اور انسانیت کا پیشوا بناتا ہے۔ اس عظیم راہ میں بھول سے جوانْ سے غلطیاں سرزد ہو جائیں تو ان کو معاف فرما کر ان کا تدارک کروا دیتا ہے۔

الحاصل جب تک ہم ان بنیادوں پر جماعت تیار نہیں کرتے ہمیں نتائج نہیں مل سکتے۔ وگرنہ نعرہ کے لئے یا دل بہلانے کے لئے کئی ایک پلیٹ فارم موجود ہیں۔ اتنی محنت کی اور پورے نظام کے ساتھ ٹکر لینی کی کیا ضرورت ہے۔ جب عام جماعتوں کے ورکر اور صحیح جماعت کے ورکر میں کردار' اعمال اور جماعتی فیصلوں کی پابندی کے حوالے سے کوئی فرق نظر نہ آئے تو پھر اتنی محنت کی ضرورت نہیں ہے ہمیں ان چیزوں کو اپنی روح کے اندر سمونا پڑے گا اور اختیار کرنا پڑے گا گو کہ یہ بڑا مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔ ہمیں وقتی طور پر ذہن پر بوجھ ڈال کر اس کو قبول کرنا پڑے گا۔ جب ہم عادی ہو جائیں گے تو پھر ہمیں معلوم ہو گا کہ ان کی پابندی سے روحانی طور پر کتنی ترقی حاصل ہوتی ہے' کتنا اطمینان اور نتائج حاصل ہوتے ہیں اور ہم کس قدر جلد ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

معاشیات کیا ہے؟

(انیس مغل۔ راولپنڈی)

"بھوک میں جس نے کھانا دیا اور خوف میں امن" ساتویں صدی عیسوی کی دوسری دھائی ہوگی جب سورۃ قریش نازل ہوئی جس میں انسان پر ایسے نظام حیات کے قیام کی نعمت جتائی گئی جو فطرۃ انسانیہ کے تقاضوں یعنی عام خوشحالی اور امن کا کفیل ہو۔ بے شمار وسائل انہی تقاضوں کی تکمیل کے لئے پیدا کئے گئے لیکن جب یہ وسائل عام انسانوں سے چھن جائیں تو "محرومی" جیسے مضر اثرات جنم لیتے ہیں۔ مزید یہ کہ جب موجود ریاستی ڈھانچہ بھی اسی عمل کو تقویت پہنچائے تو لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور معاشرہ خوف و ہراس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ پیداواری عمل رک جاتا ہے۔ یوں قحط و خشک سالی جیسی وبائیں سماج کا مقدر بن جاتی ہیں۔

عربی زبان میں "معاش" کے معنی روزی یا وہ شے جس سے بسر اوقات کی جائے چنانچہ لفظ معاشیات ایسے علم کے حوالے سے استعمال ہوتا ہے جو روزی کمانے کے عمل سے متعلقہ امور پر بحث کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا لفظ اقتصاد استعمال ہوتا ہے لغت کی زبان میں قصد و اقتصاد میانہ روی اور اچھے چلن کا نام ہے۔ مگر جب علم الاقتصاد کی بات ہوگی تو اس سے مراد ایسے وسائل کی دریافت کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کو پیدا کرنے کے مناسب طریقے اس کے خرچ کرنے کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتا سکیں۔

ولی اللہی نظریہ معیشت

حضرت حکیم الہند امام شاہ ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ اس حوالے سے دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) ارتفاقات معاشیہ' (۲) ارتفاقات المیہ جس کو اقترابات بھی کہتے ہیں۔
پہلے حصے میں انسان کے کھانے پینے' رہنے سہنے کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر بحث کی گئی ہے جبکہ دوسرے حصے میں اللہ اور بندے کے تعلق کو مربوط اور بہتری کی شکل دینے پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ م ۱۷۶۳ء اس حوالے سے حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ "نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شے ہے اس لئے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسانوں کا ذہنی توازن اعتدال پر رہتا ہے اور اس سے ان کے اخلاق کریمانہ درست اور صحیح رہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس ہو تو بدترین شے ہے کیونکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض و حسد کا سبب بنتی ہے اور اہل دولت و ثروت کو بداخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آخرت اور یاد الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل و بے پرواہ بنا دیتی ہے اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہٰذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت نظام معیشت میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم ہو اور افراط و تفریط سے پاک ہو اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے"۔

چنانچہ علم الاقتصاد پر بحث کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم الاقتصاد اس علم کا نام ہے جو وسائل زندگی سے بحث کرتا ہے اور ان کے صحیح و غلط ہونے پر مطلع کرے۔
اس اعتبار سے علم الاقتصاد دو حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) اجتماعی' (۲) انفرادی۔
انگریزی میں معاشیات یا اقتصادیات کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے اسے اکنامکس (Economics) کہتے ہیں۔ اس کا مادہ ایک لاطینی لفظ ایکو (Oiko) اور نوماس (Nomos) ہے۔ جس کے معنی گھریلو ضابطہ کے بنتے ہیں یعنی ایک گھر کے افراد ضروریات کی تسکین کے لئے کیسے آمدنی حاصل کرتے ہیں اور اسے کس طرح خرچ کرتے ہیں۔ بعد میں اس لفظ کا اطلاق پولوس (Polos) یعنی ریاست پر کیا گیا ہے۔ جس سے مراد یہ لی گئی کہ ایک ریاست میں بسنے والے افراد کی معاشی زندگی کس طرح گذرتی ہے اور وہ

اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے کیا اقدامات کرتے ہیں۔ اسی لئے اسے شروع میں پولیٹیکل اکانومی کا نام دیا گیا تھا۔ معاشیات کا تصور جب لادین یورپ کے صنعتی سماج میں تشکیل کے دوران سامنے آیا تو ان میں تین طرح کے مکتبہ فکر سامنے آتے ہیں۔

(۱) کلاسیکل معیشت دان' (۲) نو کلاسیکل' (۳) جدید معاشیین

کلاسیکل معیشت دان

سکاٹ لینڈ کے معیشت دان ایڈم سمتھ نے ۱۷۷۶ء میں معاشیات پر اپنی پہلی کتاب لکھی کیونکہ ان دنوں یورپ والے نئی روشنی سے مستفید ہو رہے تھے جبکہ ان کی گذشتہ تاریخ تاریکی پر مشتمل تھی۔ اس کی کتاب کا نام "دولت اقوام کی نوعیت و اسباب' پر تحقیقاتی مقالہ" تھا۔ یورپ میں معاشیات پر یہ پہلی کتاب تھی۔ سمتھ کے خیال کے مطابق "معاشیات ایک ایسا علم ہے جو صرف دولت' پیدائش دولت' تقسیم دولت اور تبادلہ دولت پر بحث کرتا ہے"۔ جے ایس مل این ڈبلیو سنئر' مالتھن' ریکارڈ اور ایف اے واکر جیسے ماہرین معاشیات نے سمتھ کے نظریہ معیشت کو ہی کافی سمجھا اور اسے ہی تقویت بخشی۔ جبکہ رسکن (Ruskin) اور کارلائل (Carlyle) جیسے مفکرین نے مذکورہ بالا تصور معیشت کی کھل کر مخالفت کی اور اسے ایک شیطانی علم' خنزیرانہ فلسفہ اور خود غرضی سکھانے والا علم قرار دیا۔

نو کلاسیکل (Neo Classical)

ڈاکٹر الفریڈ مارشل' جیسے نو کلاسیکل مکتبہ فکر کا بانی کہا جاتا ہے نے معاشیات کے مفہوم میں ایک نیا پہلو اجاگر کیا۔ اس نے اپنی کتاب "اصول معاشیات" میں اس علم کی تعریف یوں کی۔ "معاشیات میں انسان کے ان اعمال کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق روزمرہ کے معاملات سے ہوتا ہے۔ اس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی مساعی کے اس حصے کا جائزہ لیا جاتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ انسان خوشحال زندگی کے مادی لوازمات کیونکر حاصل کرتا ہے اور انہیں کس طرح خرچ کرتا ہے۔ پس ایک طرف یہ دولت کا علم ہے تو دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی" گویا اس نے

معاشیات کو مادی خوشحالی کا علم قرار دیا۔ مارشل کے پیروکاروں میں جن کے نام سرفہرست تھے ان میں پیگو (Pegu)' کینن (Cannon) پریٹو (Preto) اور جے۔ بی کلارک (J.B.Clark) ہیں۔

جدید معاشیین

پروفیسر رابنز کا نام جدید مکتبہ فکر کے بانی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "علم معاشیات کی نوعیت و اہمیت" میں نئے انداز سے معاشیات کی تعریف کی۔ "علم معاشیات میں اس انسانی رویئے کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو محدود وسائل سے لامحدود خواہشات کی تکمیل کے دوران سامنے آتا ہے۔ اور یہاں محدود وسائل کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے متبادل استعمال موجود ہوں اور خواہشات نہ ختم ہونے والی"۔ اس تعریف میں مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔ (۱) بے شمار مقاصد' (۲) مقاصد کی اہمیت میں فرق' (۳) محدود ذرائع' (۴) ذرائع کے متبادل استعمال

لارڈ کنز جس نے امریکہ کے لئے دوسری جنگ عظیم کے دوران نیا عالمی مالیاتی نظام کا فارمولا جس میں IMF اور IBRD جیسے اداروں کا خاکہ پیش کیا تھا نے اس سے کچھ عرصہ پہلے معاشیات کی یوں تعریف کی تھی۔ "معاشیات ایسا علم ہے جو کمیاب ذرائع کو بروے کار لاکر روزگار کے مواقع مہیا کرتا ہے اور قومی پیداوار میں اضافہ کی راہ دکھاتا ہے" معاشیات کے حوالے سے دو نقطہ نظر سامنے آئے ہیں۔ پہلی فکر (ولی اللہی فکر) جس کی بنیاد انسانیت پر ہے اس لئے وہ انسان کی ظاہری و باطنی زندگی کے تمام پہلوؤں سے بحث کرتی ہے جبکہ دوسرے مکتبہ فکر (یورپی مکتب فکر) کی بنیاد مادہ اور اسی سے متعلقہ اغراض کے حوالے سے دکھائی دیتی ہے۔ مؤخر الذکر نقطہ نظر اپنے فلسفے کے اعتبار سے چونکہ ناقص ہے لہٰذا یہی چیز اس کے تمام تصورات میں جھلکتی ہے مثلاً انہوں نے انسان کی صرف ظاہری زندگی کے حوالے سے ہی بحث کی ہے کہ کسی طرح اس کے تقاضے پورے ہونے کا سامان پیدا ہو سکے۔ جبکہ اس کے بعد کی زندگی کا کوئی تصور ہی موجود نہیں

سلسلہ مطبوعات میں ایک اور قدم

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ایک عرصہ سے ان اہل حق کے افکار سے قارئین کو مستفید کرنے کی سعی انجام دے رہی ہے جو امام شاہ ولی اللہ اور ان کے سلسلہ فکر سے وابستہ ہو کر دین حق کو معاشرے کی آواز بنانے کی جدوجہد کرتے رہے' چنانچہ اب تک مطبوعات کی ایک معقول تعداد منظر عام پر آچکی ہے۔ اب اس سلسلہ میں ایک نیا اضافہ کیا جا رہا ہے جس کو "عزیمت" کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے تحت ایک سے زائد مضامین کو جگہ دی جائے گی' نیز اس میں عصر حاضر کے ولی اللہی اہل قلم کی نگارشات کے علاوہ ان کے خطبات و انٹرویوز بھی پیش نظر ہیں۔ اس سلسلے میں نامور علماء کرام و مفتیان عظام پر مشتمل مجلس ادارت تشکیل دی گئی ہے۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے تحت تاریخ ساز اہل حق کے افکار کی حسب سابق اشاعت کے ساتھ ساتھ "عزیمت" کا مطبوعاتی سلسلہ بھی وقتاً فوقتاً قارئین کے سامنے آتا رہے گا۔ امید ہے کہ قارئین اس بابت سے اپنی آراء سے آگاہ کر کے رہنمائی و معاونت سے نوازیں گے۔

خط و کتابت کے لئے پتہ:

سیکرٹری شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن مخدوم چیمبرز۔ ۵۶ میکلوڈ روڈ لاہور